ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.1(2024)
(January to March)

جدید اُردو نظم کے تناظر میں سلیم شہزاد کا عصری شعور

Saleem Shahzad's Contemporary Consciousness in the Context of Modern Urdu Poetry

ردا اقبال

پی ایچ۔ڈی اسکالر، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر عذرا پروین

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

Rida Iqbal

Doctoral Candidate,Department of Urdu, The Women Univeristy, Multan

Dr. Azra Parveen

Associate Professor, Department of Urdu, The Women Univeristy, Multan

Abstract:

Life is reflected through literature. Where do economic and political changes have an impact on the quality of people's life. It also results in several alterations in the literature. Economic and political changes have also had an impact on Urdu poetry, introducing a new depth to theme and stylistic levels over time. Who utterly disregarded ancient human thinking and comprehending principles and introduced new ones. The word, for these poets, is an object that tells a symbolic tale of a human being's emotional and psychological state. Salim Shehzad is another new poet who has introduced the poetry in a fresh linguistic style.Salim Shehzad's poetry reflects today's contradictory social ideas. In his poetry, he depicts true visions of an exploited society. The purpose of this study paper "Contemporary Consciousness of Saleem Shahzad in the Context of Modern Urdu Poetry" is to investigate the poet's contemporary consciousness in the framework of modern Urdu poetry.

Keywords:literature, political changes, comprehending, psychological state, social ideas, Contemporary Consciousness, Urdu poetry

ادب زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب اپنے موضوعات کا خمیر اپنے معاشرے سے ہی اخذ کرتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ معاشرتی واقعات ہی شاعر کی قوت تخلیق کو جلا بخشتے ہیں اور تہذیبی، معاشرتی اور فکری سطح پر بے شمار حالات شعری حسیت کو متاثر کرتے ہیں۔ وقت کی تیز رفتار کے ساتھ عہد بہ عہد تبدیلیاں اپنے عہد کے مطابق مسائل کی اہمیت و نوعیت میں تغیر کا سبب بنتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے سبب ہی کل جدید کہلانے والا ادب آج روایت کا حصہ بن چکا ہے۔ تاہم کوئی بھی ادب اس وقت تک قدیم نہ کہلائے گا جب تک اس کا رشتہ کسی طور جدید معاشرے سے منسلک رہتا ہے۔ جونہی ادب جدید عہد کے تقاضوں کے ساتھ رشتہ استوار کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو وہ قدیم ادب کہلایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی "جدید ادب" کی تعریف کچھ یوں متعین کرتے ہیں۔

"جو شاعری روایتی طرز اظہار کی بنی بنائی راہوں سے انحراف کرتی ہو اور جس کے تجزیہ میں ادبی آہنگ موجود ہو وہ شاعری ادبی اصطلاح میں جدید کہلائے گی"(۱)

تاہم یہاں پر جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی عہد میں تغیر یا تبدیلی تب رونما ہوتی ہے۔ جب سوچنے سمجھنے کا شعور و احساس بدلتا ہے اور نیا شعور سوچ کے پرانے انداز میں تبدیلی پیدا کرتے ہوئے نئے تصورات و تجربات کے چراغ جلاتا ہے۔ اور پھر جو ادب تخلیق ہوتا ہے اس میں نئے معاشرے کی بنیاد نظر آتی ہے جو نئی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہے یہاں میری مراد نئی شاعری سے ہے۔ جس کا آغاز سن ۱۹۶۰ کی دہائی سے ہوا اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس تحریک پر افتخار جالب اور جیلانی کامران کے افکار و نظریات کی گہری چھاپ رہی ہے۔ اس تحریک میں زبان کے استعاراتی و علامتی پہلو پر زیادہ توجہ دی گئی اور زبان کے مروجہ لسانی سانچوں کی شکست و ریخت پر اصرار کرتے ہوئے (Objective Corelative) کے تصور کو نظم کی صنف کی بنیادی اکائی تسلیم کیا گیا۔

(Objective Correlative) جسے معروضی تلازمہ بھی کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ خارجی واقعات، حالات یا صورت حال و حوادث جس حسی تجربے پر ختم ہوں، ان کا اظہار جب نظم میں کیا جائے تو فی الفور جذبات کا وہی سلسلہ آپ کے سامنے آ موجود ہو۔ اسی تناظر میں دیکھا جائے تو نئی شاعری، محض زبان کی توڑ پھوڑ تک محدود نہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی ثقافتی اور معاشی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ جن مسائل سے قدیم انسان دوچار تھا آج کا جدید انسان ان کا حل تلاش کر چکا ہے۔ جن وسائل کے حصول تک قدیم انسان کی رسائی نہیں تھی آج کا جدید انسان ان تمام سہولیات سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ سائنسی و میکانکی زندگی کی تیز رفتاری نے جدید انسان کی زندگی میں بہت سے نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں جن کا تدارک قدیم ادب کے مروجہ لسانی سانچوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی زندگی میں رونما تبدیلیوں کے اظہار کے لیے ضروری تھا کہ ادب میں بھی ایسی تبدیلیاں کی جائیں جو انسانی ذات کی شکست و ریخت کو بہتر طریقے سے بیان کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے نیا شاعر اپنے قوت متخیلہ کے زور پر انفرادی اور اجتماعی تجربات کو نئے شعری مفاہیم دیتا ہے اور اپنی نظموں میں الفاظ کو نئے معنی عطا کرتا ہے۔ نت نئے تخلیقی پیرائے وجود میں لانے کے لیے نیا شاعر اپنے فن پارے میں سادگی کی بجائے علامت، استعارہ اور امیجز کا سہارا لیتا ہے۔ شمیم حنفی کے مطابق:

"زندگی کے روزمرہ مظاہر کو علامت، ندرت بخشتی ہے۔ رسمی اور کاروباری زبان میں اگر ان مظاہر کو سمیٹنے کی سعی کی جائے تو ان کا تاثر بیان واقعہ کی سطح سے اوپر نہ اٹھ سکے گا۔ اس سے قطع نظر موسوم تجربوں کی دنیا حسن کے سحر سے کوئی تخلیقی ذہن آزاد نہیں ہوتا، رسمی زبان کے ذریعہ نہ تصور میں لائی جا سکتی ہے اور نہ اس کا فنکارانہ اظہار ممکن ہے"(۲)

نئی شاعری میں لفظیات کی تبدیلی، ہیئت کے انوکھے پن کی اہمیت مسلم ہے۔ تاہم اس میں جو چیز سب سے اہم ہے وہ اس کی "عصریت" ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر عہد کا ادب، اس عہد کے فکری میلان اور افراد کے ماحول کے گرد و نواح، رسم و رواج اور ثقافت کی نمائندگی کرتا ہے۔ "نئی شاعری" میں بھی اس صورتحال کا مکمل طور پر ادراک کرتے ہوئے افراد کے داخلی اور خارجی تضادات، ذہنی خلفشار اور غیر مطمئن زندگی کا بیان شامل ہے۔ نئی شاعری کے نمائندہ شاعروں میں افتخار جالب، جیلانی کامران، انیس ناگی، عباس اطہر، تبسم کاشمیری، زاہد ڈار، سلیم الرحمن اور عبد الرشید شامل ہیں۔ جنہوں نے اپنی نظموں کے ذریعے نئی تشکیل، نئے

شعور، نئی ہئیت کو کچھ اس طرح متعارف کروایا ہے کہ یہ نظمیں انسانی وجود کے کرب، جدلیاتی تہذیب کے ٹکراؤ، سماجی اور معاشی مسائل کی بازیافت سے قاری کو ایسے معنی خیز قرینوں سے آشنا کرواتی ہیں جہاں تک عام انسان کی رسائی ناممکن ڈاکٹر انور سدید کے مطابق

> نئی شاعری کے عہد میں جو نظم سامنے آئی اس میں علامت کو فنی ابہام اور تخلیق کی تہ داری کے لیے قابل قبول بنایا اور اسی طرح معنی کی کئی جہتوں کو بھی بروئے کار لاتے ہوئے اردو نظم کے دامن کو وسیع کیا گیا۔(۳)

سلیم شہزاد کا شمار بھی نئی شاعری کی اسی کھیپ کے شعراء میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے جدید اردو نظم کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب تک ان کے تین مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ "ماسوا" "قسم ہے کفارے کی" اور "کٹی پوروں سے بہتی نظمیں"۔ سلیم شہزاد نے اپنے ان مجموعوں میں جدید عصری حسیت کو نہایت خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔ ان مجموعوں میں شامل بیشتر نظمیں صعنتی و میکانکی زندگی کی تیز رفتاری کا شکار افراد میں کم مائیگی کے احساس کو نہایت خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو ہر عہد کا تخلیق کردہ ادب اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق عصری شعور کے بعض رجحانات کو اہمیت دیتا ہے۔ انہی رجحانات کا ادراک شاعر کے عصری شعور و حسیت کی تشکیل کرتا ہے سلیم شہزاد کی شاعری میں یہ عصری شعور شاعر کی شخصیت کا بنیادی حوالہ بھی ہے۔ سلیم شہزاد معاشرے میں ایک زندہ و باشعور فرد کی مانند جہاں کہیں بھی خیر اور انسانیت کے عناصر کو پامال دیکھتے ہیں وہ بے چین ہو اُٹھتے ہیں اور اس درد کی شدت کو اِن کی نظموں میں محسوس کیا جا سکتا ہے، جس سے وہ دوچار ہوتے ہیں۔ اور اپنی نظموں میں منفرد انداز سے معاشرے کی منفی قوتوں کے خلاف احتجاج کا اظہار کرتے ہیں۔ اسے کے علاوہ سلیم شہزاد کی شاعری میں انسان وجود کی کم مائیگی، احساس کمتری میں مبتلا افراد کی اضطرابی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ دراصل آج کے دور کا انسان جس تبدیلی کا شکار ہے وہ انقلابی نوعیت کی ہے۔ یہ تبدیلی برقی رفتاری کی مانند ہے جو پورے تمدنی و سماجی ڈھانچہ میں تبدیلیاں رونما کر رہا ہے۔ آج کے جدید دور میں قدیم فلسفیانہ تصورات اور مذہبی توہمات کو پاش پاش کر کے انسان کو تشکیک کے کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ دراسل نئے دور کی میکانکی اور صنعتی زندگی سے جو اُمیدیں وابستہ کی گئی تھی وہ محرومی میں بدلنے لگی ہیں۔ محمد اظہار الحق کے مطابق

> سلیم شہزاد کی شاعری مجھے دشت مصاف لگتی ہے۔ جس میں دو مختلف لشکر آمنے سامنے صف آرا ہیں۔ اور خیر و شر کی اس ابدی جنگ کو سلیم شہزاد ہر لمحہ محسوس کرتے ہوئے اپنی نظموں کا موضوع بنا رہا ہے۔(۴)

نئی زندگی نے انسان کو جس فکری بحران کا شکار کیا ہے۔ سلیم شہزاد اس صورتحال کی منظر کشی اپنی نظم (ماسوا ۸۱) میں کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

درخت ریکوں میں
اُگ رہے ہیں
انسان فائلوں میں
بند پڑا ہے
سانحے دروازوں سے جھانکتے ہیں

علم متروک ہو چکا ہے
ہم تنہائی پی رہے ہیں
فاقوں کی فصل اُگا رہے ہیں۔
اک عمر سے
دھواں کھا رہے ہیں
رزق جو مقدر ٹھہرا (۵)

اس نظم میں جدید کاروباری زندگی کی شور انگیز سطحیت اور کھوکھلے پن کو بیان کیا گیا ہے۔ نظم صنعتی زندگی سے بیزاریت، تھکن اور زندگی کی عدم معنویت کے احساس کو ابھارتی ہے۔ صنعتی تہذیب کی اندھا دھند تقلید نے جدید انسان کو ذہنی بانجھ پن کا شکار بنا دیا ہے۔ دراصل آج کا انسان جید مشینی عہد کی تہذیب کی پیچیدگیوں سے مکمل طور پر نبرد آزمانہ ہونے کی بدولت احساس تنہائی میں مبتلا ہو چکا ہے۔ تجارتی زندگی جدید انسان میں اپنی کم مائیگی کے احساس کو ابھارتی ہے مگر آج کا انسان اپنی اس حالت کا ادراک کرنے کی بجائے اپنی اس تشویشناک حالت سے مفاہمت کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ سلیم شہزاد نے اس نظم میں انسان کے اسی فکری بحران کو نہایت خوبصورت اور منفرد انداز میں رقم کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور نظم میں ملک کے سیاسی حالات کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

غنیم شب!
غلام کرنوں کی آنکھ سے
بہتے سیال کی قسم
دشتِ املاک کے کانوں پہ جب بھی
پرانی سرگوشیوں کی آہٹ جاگتی ہے۔
تو موسموں کی خشک سالی پہ
دل بیٹھ جاتا ہے۔
غنیم شب!
تمہی اُمید شب تھے
تہی غنیم بن بیٹھے (۶)

سلیم شہزاد کی بیشتر نظمیں زمانہ حال سے مکمل طور پر سروکار رکھتی ہیں سلیم شہزاد کی یہ نظم اُس عصری شعور سے بھی برابر جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور ایسے معاشرے کی تصویر کشی کرتی ہے جس کی بنیادیں صنعتی اور میکانکی تہذیب کی ترقی کی بدولت اضمحلال کا شکار ہے۔ اس نظم میں اقتدار کے حامل افراد کی بے بسی اور نااہلی کی اس خوبصورت انداز سے تجسیم کر دی گئی ہے کہ ریاست پر چھائے ہوئے خزاں کے موسم کی بے رحمی کا تمام تر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس نظم میں سلیم شہزاد نے اپنی فہم وادراک کی آمیزش سے اپنے ارد گرد کی بے رنگ زندگی کی اس خوبصورت انداز سے منظر کشی کی ہے کہ نظم کے مصرعے مختصر ہونے کے باوجود بھی حسی اور ادراکی سطح پر معنی کی ایک نئی دنیا تشکیل دیتے ہیں۔ سلیم شہزاد کی نظموں میں مضمر یہ عصری شعور اس بات پر دلیل ہے شاعر ہر لمحہ حقیقتوں کا جبر سہتا ہے۔ عصری حسیت کے تناظر میں سلیم شہزاد کی بیشتر نظمیں قاری کے ذہن و دل میں ارتعاش کا سبب بنتی ہیں۔ یہ شہر

اور اس کے گرد و نواح میں پروان چڑھتی مادیت پرستی کی بے روح زندگی کی ترجمانی کرتی ہے۔ جہاں رشتوں میں خلوص اور محبت کے احساس و جذبات ختم ہو کر محض مطلب پرستی تک محدود ہو گئے ہیں۔

سلیم شہزاد کی نظم "ضرورت جوڑ دیتی ہے" فکری امتیاز سے موجودہ عہد میں پائے جانے والی ضمیر کی مردنی کو پیش کرتی ہے جس کے تحت ہر شخص ایک دوسرے سے بے رحم سمجھوتے کرنے پر مجبور ہے کہ اب وہ محبت سے لاتعلق ہے اور محض اپنے مقاصد اور مطالب کی تکمیل کے لیے دنیاوی طور پر رشتے نبھانے پر مجبور نظر آتا ہے۔

ہم
خود نہیں جُرتے، ضرورت جوڑ دیتی ہے
اور کبھی
مجبوری کے پاؤں پہ
خود سے جڑنا پڑتا ہے
کہ احتیاج کی لو۔ کبھی تیز، کبھی مدھم، کبھی مدھم، کبھی تیز
ہو جاتی ہے
ہم انکار کے انگاروں پر چل نہیں سکتے
محبت،
ہار جاتے ہیں۔(۷)

یہ نظم سلیم شہزاد کی خوبصورت نظم ہے جس میں اپنے اردگرد بکھرے آشوب کی اس خوبصورت انداز سے صورت گری کی گئی ہے کہ یہ غم آلود تصویر ایک شفاف آئینہ میں بدل جاتی ہے کہ جس میں ہر شخص اپنی منافقت کے رنگ بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ یہ نظم دراصل ہمارے معاشرتی المیہ کو بیان کرتی ہے کہ جس میں انسانی وجود مشین کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جو جذبات و احساس اور محبت سے مکمل طور عاری ہے۔ دراصل صنعتی زندگی کی اجارہ داری نے انسان ذات میں ایسی کیفیات کو جنم دیا ہے کہ انسان اپنے وجود کے خول میں سمیٹنے کی کوشش کے باعث اردگرد سے مکمل طور پر بیگانہ ہو جاتا ہے۔ سلیم شہزاد نظم (ماسوا۔15) میں اس کیفیت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

قرابت کے کنویں میں
جھانکتا
اندھیرے کی منڈیریں
پھلانگتا
گمراہی کے پھول سونگھتا
۔۔۔۔۔کے ناخنوں میں
چھپتا پھرتا ہوں۔(۸)

سلیم شہزاد کی اس نظم میں انسان کے داخلی اور خارجی خلفشار کو بیان کیا گیا ہے۔ سلیم شہزاد کی نظموں کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان نظموں کا خالق گہری سوچ اور معاشرے میں موجود وجودی کرب کا عمیق نظری سے مشاہدہ کرتا ہے اور پھر ان مشاہدات کو اپنی قوت متخیلہ سے اس طرح آمیز کرتا ہے کہ اس کے ذاتی تجربات احاساس کی مٹھی بھٹی میں جلنے کے بعد ایک آفاقی تجربے کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس نظم میں بیان کیا گیا شخص ایک سماجی حیوان کی مانند نظر آتا ہے۔ جو ہر پل وجود کی کم مائیگی کا کرب جھیل رہا ہے رشتوں کی منافقت کی بدولت اپنی ذات میں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ نظم معاشرے میں وقتی ضرورت کے تحت پروان چڑھنے والے رشتوں کی ترجمانی کرتی ہے جو کہ اس عہد کی حسیت کا بیان ہے۔

سلیم شہزاد کی نظموں میں مرد کے داخلی اور خارجی انتشار کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ سامراجی قوتوں کے ہاتھوں فرد کی تذلیل کی بھی خوبصورت انداز سے تصویر کشی کی گئی ہے ان کی نظم ''ٹینڈر نوٹس'' میں اہل حکومت کی اجارہ داری کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ جو قوت واقتدار کی ہوس میں باقی تمام انسانوں کو مجبور اور محکوم بنائے ہوئے ہیں کہ ضروریات زندگی کا حصول حسن کے امتیاز سے باہر ہو جاتا ہے۔ غریب عوام کو ایک بے جاں مزدور کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

آقائے ملک
جب چاہے۔ جہاں چاہے
تعمیر وطن پہ
شہریان ملک
بے وطن کر کے
منسوخی ٹینڈر پہ
مختار کامل ہو گا
متصو بہ کل
چند بے ضمیروں کی گواہی کے
قالین بنانا ہونگے
بوقت ٹینڈر
مردہ ذہنوں کی کال ڈیپازٹ دکھانا ہونگی
آنکھیں بھی رہن رکھتا ہوں گی
ورنہ شہریان ملک
اپنی شہریت منسوخ سمجھیں
(المشتہر حکومت وقت)(۹)

اس نظم میں شاعر نے بہت خوبصورت انداز میں ملک کے فرسودہ معاشی اور سیاسی نظام کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ دراصل یہاں اس مخصوص عصری صورت حال کو بیان کیا گیا ہے جس نے انسان کو سامراجی قوتوں کے ہاتھوں ایک کٹھ پتلی میں تبدیل کر رہا ہے اس نظم میں ایک معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ جس میں اہل حکومت بد عنوانی، فریب اور مکاری کے جال بچھا کر عوام کو شخصی آزادی

اور وجودی شناخت سے مکمل طور پر محروم کر رہے ہیں۔ جہاں جنگل کا قانون نافذ ہے۔ عوام کا بے ضمیر اور ان کے ذہنوں کا مردہ ہونا لازمی قرار پایا کہ وہ آقائے ملک کے ہر حکم پر بنا کسی سوال کے محض سر تسلیم خم کرنے پر اکفتا کریں ورنہ ان کی شہریت منسوخ کر دی جائے گی۔ سلیم شہزاد اس قسم کے معاشی نظام کے خلاف موہوم سی آواز بھی بلند کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس میں وہ عوام کے اس مفاہمت کے رویے سے انکار کرتے ہیں اور اس کیفیت کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔

میں غلامی سے نہیں ڈرتا
مجھے غلام روحوں سے بیر ہے (۱۰)

سلیم شہزاد کی بیشتر نظمیں ان کے داخلی کرب سے عبارت ہیں لیکن بعض نظموں میں شاعر کے حسی تجربات کی فراوانی نظر آتی ہے حسن میں وہ معاشرے کے پست اور محروم طبقوں سے مطابقت رکھتے نظر آتے ہیں اور معاشرے کے ایسے کرداروں کی ترجمانی کرتے ہیں جن کی زندگی روٹی کے حصول کے لیے ہی رائیگاں چلی جاتی ہے۔ نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد استحصالی نظام کے دلدل میں اس طرح دھنس گئے ہیں کہ ان کے چھوٹی چھوٹی خواہشات کا حصول بھی ناممکنات میں شامل ہو چکا ہے۔ اپنی نظم ''بعنوان ''نظم''میں شاعر ان کیفیات کو کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔

دو بے دن کی بھوک نے
ہم سے شادی کی
تیجے دن کا فاقہ
ہم پر ریچھ گیا۔۔۔۔
۔۔۔۔ساتویں دن بھی
روزہ رکھا۔(۱۱)

اس نظم میں شاعر نے بہت خوبصورتی سے طنزیہ اسلوب کی آمیزش سے ہفتے کے ساتوں دن کرب و اذیت میں گزارنے والے افراد کی صورتحال کی تجسیم کر دی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے ''بھوک''''بے بسی'' اور ''لاچاری'' میں مبتلا افراد کی صورتحال کو اس قدر خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے کہ اس عہد کا مخصوص عصری ہیجان شاعری کی داخلی سے کیفیات سے ہم آہنگ ہوتا نظر آتا ہے دراصل شاعر نے اپنے اردگرد کے آشوب کو اپنی ذات میں کچھ اس طرح سمیٹا ہے ان کی نظمیں گلوبلائزڈ معاشرے میں سانس لیتے ہر فرد کی ذات کا المیہ بیان کرتی ہیں۔ تبسم کاشمیری سلیم شہزاد کے بارے کچھ اس طرح رقم طراز ہیں

سلیم شہزاد اپنی نظموں میں معاشرتی شعور اور زوال کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔(۱۲)

سلیم شہزاد کے دوسرے مجموعے قسم ہے کفارے کی میں شامل نظم بعنوان ''قسم ہے کفارے کی'' ایک طویل سلسلہ وار نظم ہے جس میں ایک تسلسل سے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کی بے بسی اور محرومی، احساس تنہائی اور لاچاری کی کیفیات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ سلیم شہزاد کی نظموں کی سی خصوصیت ہے کہ وہ ان میں کسی ماورائی دنیا کا قیام عمل میں لانے کی بجائے اپنے عہد اور ماحول کے روبرو ہوتے ہیں۔ اپنے معاشرے کے مسائل سے مکمل طور پر نبرد آزما ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں جس سے آج کا ہر شخص دست و گریباں ہو رہا ہے۔

نظم کے کچھ بند ملاحظہ ہوں

قسم ہے وہمی آئے کی
جو وسوسے کے پانی سے گندھا ہے
جس سے خوف کی روتیاں پکتی ہیں کہ شر
ان کے گھر سے لوٹ جائے
قسم ہے منظر دوبارہ کی۔(۱۳)

قسم ہے آمروں کے قلم کی نوک سے نکلتے حکموں کی جنہوں نے سچ کے بتاشے بانٹ کر لفظوں کی پتنگیں اڑائیں اور موسموں کی اُوٹ پر کانٹی ڈالی۔(۱۴)

"قسم ہے کفارے کی نظم کا شمار سلیم شہزاد کی بہترین نظموں میں ہوتا ہے جس میں شاعر معاشرے میں موجود بد عنوانی، فریب کاری، ناانصافی پر مبنی نظام معیشت کا پردہ فاش کرتے ہیں۔ اس نظم میں احساس تنہائی، محرومی اور نامکمل خواہشات کا آشوب سہنے والے افراد کی اس قدر خوبصورت انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے کہ نظم کا ہر مصرعہ فرد کے داخلی اور خارجی انتشار کی غمازی کرنے لگتا ہے۔ شاعر فرد اور معاشرے کے باہمی ارتباط کی شکست وریخت کو اس قدر پختگی سے بیان کرتا ہے کہ قاری تحیر اور تاسف کے جذبات میں شرکت کئے نہیں رہ سکتا۔ دراصل آج کا انسان شرف آدمیت کے منصب سے گر کر مشینی پرزوں کی سی زندگی جینے پر مجبور ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ داخلی سطح پر اضطراب کا شکار ہے جو اسے یقینی کی کیفیات میں مبتلا کرتی ہے۔

سلیم شہزاد نے اس نظم میں نچے طبقے کی ذلت آمیز زندگی کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ "گناہوں کے آزار"، "بیزار روحوں" "بیج کا زہر" "پیٹ میں انگار" "بیج کے بتاشے"، "دھوپ کی تمازت"، "اجازتوں کی منڈی" جیسی تراکیب موجودہ عہد میں جاری رقص ابلیس کی ہی ترجمانی کرتی ہیں۔ سلیم شہزاد کی بیش تر نظموں میں سامراجی قوتوں کے خلاف احتجاج بلند ترین سطح پر نظر آتا ہے جو طاقت کے نشے میں اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پیروں تلے روند ڈالتے ہیں۔ اپنی نظم "Protest" میں وہ کچھ اس طرح لکھتے ہیں۔

میں بھی
چیختا
رہتا ہوں
مفلر
میری گردن سے
تم بھی
کھینچتے رہتے
ہو(۱۵)

اس نظم میں مادیت پرست معاشرے میں حالات کی جبریت سے نبرد آزما افراد کی حالت زار کو بیان کیا گیا ہے۔ جو معاشرتی نظام کو بدلنے کی سعی ناکام میں مشغول ہیں۔ سلیم شہزاد کی نظم "نیم کافوبیا"، سپیڈی ٹرائل، جسارت، اس کے بھیجے میں کیل اٹکی تھی"

جیسی نظمیں معاصر عہد میں موجود انسان کی بے بسی اور لاچاری کا منظر پیش کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ نظمیں ٹوٹتی پھوٹتی معاشرتی اقدار، سماجی نظام کی شکست وریخت، رشتوں کی منافقت اور بے وقعتی اور فرد کو درپیش بیگانگی ذات جیسے رجحانات کا نوحہ پیش کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

سلیم شہزاد ظلم و بربریت کے ماحول کو شدت سے محسوس کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی نظموں میں عصر حاضر کی ان استعماری قوتوں کا ذکر کرتے ہیں جو عوام کے استحصال کی اصل وجہ ہے۔ ان کے تیسرے مجموعے ''کئی پوروں سے بہتی نظمیں'' نظم بعنوان ''کوئی نظم ڈھونڈو'' ایسے ہی معاشرے کی تصویر کشی کرتی ہے جس میں افراد کی انتہاپسندوں کی دہشت گردی کا شکار ہیں۔

کوئی نظم ڈھونڈو
کسی بارود کے ٹکڑے سے
اجڑے بدنما
ہاتھوں کی
کسیلی چمڑی سے (۱۶)

اس نظم میں ''بارود'' اس تباہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے ہمارا ملک ایک عرصے تک دوچار رہا ہے۔ دراصل یہاں استعماری قوتوں کے ہاتھوں انسانیت کی تذلیل کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ سلیم شہزاد کی شاعری میں حالات کے سرد و گرم تھپڑوں، سماجی و معاشی ناہمواریوں اور جدید انسان کو درپیش مسائل کا احساس ایک مخصوص زاویہ نگاہ رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات جاننا نہایت ضروری ہے کہ یہ عصری شعور محض تخیلات کا شاخسانہ نہیں ہے بلکہ شاعر زندگی کی ناہمواریوں سے اسی طرح دستِ گریباں ہوتا ہے جس کا اظہار وہ اپنی نظموں میں کرتا ہے۔ اگرچہ حالات کی جبریت کو عام انسان تمام عمر سہتا ہے مگر شاعر کیونکہ معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتا ہے وہ حقیقتوں کا جبر نہ صرف سہتا ہے بلکہ شعور وادراک کی کسوتی پر پرکھتا ہے۔ پھر اس سے حاصل کردہ کرب اور اضطراب کو اپنی نظموں میں کچھ اس طرح سموتا ہے کہ یہ اضطرابی کیفیات ہی اُس کی شاعری کا بنیادی حوالہ بن جاتی ہیں۔ سلیم شہزاد کی شاعری میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہیں۔ وہ محرومیوں اور مجبوریوں کی بھٹی میں جلتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ نچلے طبقے کی ذلت آمیز زندگی اور استعماری قوتوں کے انسانیت سے گرنے کے مناظر اس قدر عمدگی سے اپنی نظموں میں تشکیل دیتا ہے کہ باشعور قاری ان نظموں کی قرأت کے بعد اپنے ضمیر کو جھنجوڑے بنا نہیں رہا سکتا۔ تاہم یہاں شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ کھوکھلی نعرہ بازی سے اپنا دامن بچا کر فرد کے داخلی اور خارجی انتشار کے بیان پر ہی اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ سلیم شہزاد کی شاعری میں موجود داخلی تحرک ان کی ذات میں موجود انتشار کو خارجی حالات کے ساتھ آمیز کر کے ایک ایسے منظر کی تشکیل کرتا ہے جو عصرِ حاضر کی تیز رفتار زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ سلیم شہزاد کی نظم ''بات کا بتنگر نہیں بنا'' جدید معاشرے کی انحطاط زیر اخلاقی اقدار اور زوال آمادہ تہذیب پر ایک زہر خند Irony کی حیثیت رکھتا ہے۔

میرے آنسوؤں کی
راکھ کا
چراغ بنایا گیا
مگر، بات کا بتنگر نہیں بنا

میرے چیتھڑوں کا پرچم اڑا
اسے نوحوں کا گھر بتایا گیا۔۔۔
شکر ہے۔۔
بات کا بتنگر نہیں بنا(۱۷)

اس نظم کے آخری مصرع "شکر ہے" بات کا بتنگر نہیں بنا" کے طنز کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس نظم کا کردار جدید انسان کی ترجمانی کرتا ہے۔ دراصل یہ نظم شاعر کے وسیع تر مشاہدے کی عکاس ہے۔ یہ نظم عصرِ حاضر میں اُن رائیگاں جاتے جسموں کی حالتِ زار کا منظر پیش کرتی ہے۔ جنہیں اقتدار کی حامل قوتیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے دانستہ ذلت آمیز زندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔ اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ انہیں چپ رہ کر سب برداشت کرنے کی تنبیہ کی جاتی ہے۔

سلیم شہزاد کی بیشتر نظمیں ایسی عصری آشوب کا علامیہ ہیں جس سے آج کا جدید انسان دوچار ہے۔ ان کی نظموں میں یہ شعور نہایت پختگی کے ساتھ پیوست ہے کہ عالمی صارفی معاشرے کے قیام کی طرف پیش قدمی نے ہماری معاشرے کی اندرونی ساکت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ان کی نظموں کے کردار شدید ذہنی اور روحانی انتشار کا اظہار یہ ہیں جن کے عقب میں صنعتی تہذیب کی اجارہ داری کی بدولت، ٹوٹتی پھوٹی معاشرتی اقدار روحانی دیوالیہ پن، احساس محرومی اور داخلی تنہائی ایسے رجحان کارفرما ہیں۔ سلیم شہزاد کی نظموں میں مضمر یہ عصری شعور اسی معاشرے کی دین ہے جیسا کہ جانتے ہیں کہ بہترین ادب وہی ہوتا ہے جس کو پڑھ کر اس کے عہد کی ثقافتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار سے واقفیت حاصل کی جا سکے۔ تاہم سلیم شہزاد کے شعری مجموعوں میں ایسی نظمیں کثرت سے موجود ہیں جو شاعر کی اسلوبیاتی انفرادیت کی غمازی کرنے کے ساتھ ان کے عصری شعور و احساس کی بھی ترجمانی کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، جدید شاعری، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۱۹۸۳ء، ص:۱۱
۲۔ شمیم حنفی، جدیدیت اور نئی شاعری، لاہور، سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص:۴۶۶
۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء، ص:۵۱۶
۴۔ محمد اظہار الحق، مشمولہ کٹی پوروں سے بہتی نظمیں، لاہور، بک ہوم پبلیشرز، ۲۰۲۱ء (فلیپ)
۵۔ سلیم شہزاد، ماسوا، کراچی، تشکیل پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص:۹۲
۶۔ ایضاً، ص:۹۲
۷۔ ایضاً، ص:۶۹
۸۔ ایضاً، ص:۱۰۲
۹۔ ایضاً، ص:۱۰۷
۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰۳
۱۱۔ ایضاً، ص:۱۲۵
۱۲۔ تبسم کاشمیری، سلیم شہزاد کی نظمیں (مضمون)، مشمولہ کٹی پوروں سے بہتی نظمیں، ص:۲۳

۱۳۔ سلیم شہزاد، قسم ہے کفارے کی، لاہور، بک ہوم پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۲۶

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲۲

۱۵۔ سلیم شہزاد، ماسوا، ص:۱۹۹

۱۶۔ سلیم شہزاد، کٹی پوروں سے بہتی نظمیں، ص:۱۴۴

۱۷۔ سلیم شہزاد، قسم ہے کفارے کی، ص:۲۶

References in Roman Script:

1. Ibadat Barelvi, Dr, Jadeed Shairi,Aligarh, Educational Book House,1983, p:11
2. Shamim Hanfi , Jadidiat Aur Nai Shairi,Lahore,Sang-e-Meel Publishers,2008, p:466
3. Anwar Sadeed, Dr. Urdu Adab ki Mukhtasir Tareekh, Islamabad, Muqtadra Qomi Zuban Urdu,1991, p:156
4. Muhammad Azhar-ul-Haq,Mashmola, Kati Poron se Behti Nazmen,Lahore, Book Home Publishers, 2021, Flip
5. Saleem Shehzad, Masiwa ,Karachi, Tashkeel Publishers, 2021, p.92
6. Ibid, p:92
7. Ibid, p:69
8. Ibid, p:102
9. Ibid, p:107
10. Ibid, p:103
11. Ibid, p:125
12. Tabassum Kashmeri, Saleem Shehzad ki Nazmein (Mazmoon) Mashmola, Kati Poron se Behti Nazmein, p:23
13. Saleem Shehzad, Qasm Hy Qaffary ki ,Lahore: Book Home Publishers, 2009,p:126
14. Ibid
15. Saleem Shehzad, Ma'siwa, p:199
16. Saleem Shehzad, Kati Poron se Behti Nazmen, p:144
17. Saleem Shehzad, Qasm Hy Kaffary Ki, p: 26